© rasailojaraid.com

مقالات ومضامین

قرآن اور علاجِ حزن

ڈاکٹر میرولی الدین

بے خلشہا زیستن نازیستن | باید آتش در تہِ پاز یستن
بستین ایں گو نہ تقدیر خودی است | از ہمیں تقدیر تعمیر خودی است

(امتحان وآزمائش کے بغیر جینا جینا ہی نہیں ہے۔ پاؤں تلے آگ لگا کر جینا زندگی ہے، اس طرح کی زندگی خودی کی تقدیر ہے اور اسی تقدیر سے خودی کی تعمیر ہے۔)

ابتلاء یا آزمائش انسان کی تقدیر ہے اور ابتلاء ہوتی ہے زندگی کی محبوب ومرغوب چیزوں کے روک لیے جانے یا فنا کردیے جانے سے، ان پر آفات کے نزول سے، ان کے حصول میں مشکلات کے پیدا ہونے سے، خلش سے، درد وغم سے، رنج والم سے، قلب کے تار ٹوٹنے سے یا زیادہ جامع الفاظ میں یوں کہو خوف سے، بھوک سے، جان ومال وثمرات کے نقص وکمی سے اور ابتلا کا مقصد سیرت کی تعمیر ہوتی ہے، خودی کی پختگی ہوتی ہے، حیات کی زیادتی ہوتی ہے، قوت کی توقیر ہوتی ہے، خاص وعام زحمتوں اور راحتوں کا نزول ہوتا ہے اور جو شخص ابتلا سے بھاگنا چاہتا ہے، وہ ایک کلی دوجوبی قانون کی ہمہ گیر قوت سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے اور نادانستہ طریقہ پر اپنا ہی نقصان چاہتا ہے، اپنی خودی کی تکمیل وتعمیر نہیں چاہتا، حیات وقوت کی توفیر نہیں چاہتا، وہ بھول جاتا ہے کہ:

دوامِ ماز سوزِ ناتمام است | چوماہی جز تپش برما حرام است
مجو ساحلِ کہ در آغوشِ ساحل | تپیدِ یک دم دمرگِ دوام است

(سوز وگداز کے بغیر ہمارا دوام ناقص ہے، مچھلی کی طرح تڑپنے کے علاوہ سب کچھ ہم پر حرام ہے۔ اس ساحل کو تلاش نہ کرو جو ساحل کے آغوش میں تڑپتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ساکن ہوجاتا ہے)

اپنے اس دعوے کی تائید میں ہم آپ کو کچھ دیر کے لیے فکر ونظر کی دعوت دیتے ہیں اور کائنات وفطرتِ انسانی کے چند کلی وجزوی قوانین کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرتے ہیں: یک تنقیۂ دماغ می باید کرد! ایک بار دماغ کی صفائی کرنا چاہیے۔

انسان، احتیاج کا دوسرا نام ہے، انسان کی عضویت کی تحدید وتقید ہی سے احتیاج پیدا ہوتی ہے یعنی اس کی فطرت ہی میں احتیاج ہے، وہ حاجت مند ہے، فقیر ہے اور درد نتیجہ ہے اسی فقر واحتیاج کا اور فطری طور پر وہ اس درد کی دوا چاہتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالم ہمہ دردست و دوا میخواہد — از خوانِ کرم برگ و نوا میخواہد
کس بے حاجت نمی تواند دیدن — درویش غذاشتہ اشتہا میخواہد

(ساراجہاں درد سے بھرا ہےاور دوا کا طلب گار ہے۔سخاوت کے دسترخوان سے پتااور نوا مانگتا ہے کوئی بھی ضرورت کے بغیر فقیر کو نہیں دیکھ سکتا ہے کیوں کہ اس کو بھی کھانے کی خواہش ہے۔)

عالمِ اسباب وعلل میں جس کی تشبیہ انگارہ سے دی جاسکتی ہے، مجاہدہ اور عمل ہی سے احتیاج وفقراور درد وغم بڑی حد تک دور کیے جاسکتے ہیں جو اپنی بنیاد واساس کے طور پر علم صحیح کو فرض کرتا ہے، مجاہدہ بغیر علم صحیح کے ممکن نہیں، اور علم صحیح عمل سے علاحدہ ہو کر نافع نہیں ہوسکتا، اس لیے ہم انہیں دو پہلوؤں کو یہاں اختصار کے ساتھ پیش کر کے اپنے دعوے کی تائید کریں گے۔

یادرکھو کہ انسان کی زندگی اس معنی میں ہمیشہ خطرناک زندگی ہے کہ درد وغم ،سوز والم اس کی ماہیت میں داخل ہیں، کائنات کے اندرونی اسرار سے جو لوگ واقفیت رکھتے ہیں۔ان کا ایقان ہے کہ کائنات کا مبدء حق تعالیٰ ہیں جو حکمت و خیر کے اعتبار سے مطلق ولامحدود ہیں، وہی اس کائنات پر حکمراں ہیں، حکم ان ہی کا چلتا ہے، مشیت انہی کی نافذ ہو رہی ہے، لہٰذا یہ کائنات مظہر ہے خیر وحکمت کا، پھر درد وغم جو انسان کی زندگی کا ساتھ نہیں چھوڑتے اور ہر رنگ میں انسان جو جلتا رہتا ہے، اس میں کون سی حکمت ہے اور خیر کا کون سا نمایاں پہلو ہے؟ ان ہی واقفانِ راز کا بیان ہے کہ اہل ذکر یا مشاہدہ پر اس کی حکمت مبرہن ہے۔اس کی توضیح تین قوانین کی شکل میں پیش کی جاسکتی ہے۔

❶ درد وغم ،سوز والم نتیجہ ہے، جرم ومعصیت کا، گناہ وبد کرداری کا، ذمائم اخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے افعال واعمال کا، اس راز کو قرآنِ حکیم نے اس آیت میں پیش کیا ہے: ﴿مَا اَصَابَکُم من مُصِیبَۃٍ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیرٍ۔(پ۲۴، آیت۵)﴾ ’’تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے ہے اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے‘‘۔

اسی راز کو کسی اور جگہ زیادہ واضح الفاظ میں یوں ظاہر فرمایا گیا ہے: ﴿اولما اصابتکم مصیبۃ قد اصبتم مثلیھا قلتم انی ھذا قل ھو من عند انفسکم ٥﴾ ’’اور جس وقت تم کو ایک تکلیف پہنچی، کہ تم اس سے دو چند پہنچا چکے ہو، تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آئی۔آپ فرما دیجیے کہ یہ تکلیف تم کو تمہاری طرف سے پہنچی‘‘۔

صاحبِ کتاب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس اصول کی تفسیر میں فرمایا کہ: ’’انما ھی اعمالکم ترد علیکم‘‘ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تم پر لوٹائے جاتے ہیں، قرآن وخبر سے اس راز کو معلوم کر کے حکماء وصوفیائے اسلام نے یہ اصول قرار دے لیا ہے کہ: ان جمیع الوجود یقابلکم بحسب مابرزمنکم من الاعمال فانظروا کیف تکونون فان الظل تابع للشاخص فی العوج والاستقامۃ (شیخ ابوالنجاء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی جو اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں ویسا ہی بدلہ بھی دیا جاتا ہے، اس لیے ذرا اپنے اعمال پر نظر رکھنا، کیونکہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے، اگر کوئی شے ٹیڑھی ہے، تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اور اگر سیدھی ہے تو سایہ بھی سیدھا ہوگا جس نے توقع کی ٹیڑھی شے کا سایہ سیدھا ہو تو اس نے محال کی تمنا کی۔ من طلب استقامة الظل مع عوج الشاخص فقد رام المحال۔ اس لیے یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ یہ جو سوز و غم تمہارے قلب کو کھائے جا رہا ہے یہ نتیجہ ہے تمہارے ہی اعمال بد کا، مثلاً جب تم کسی کو دیکھتے ہو کہ وہ تم کو ناحق آزار پہنچا رہا ہے، بے وجہ تکلیف دے رہا ہے، زبردستی ستا رہا ہے تو ذرا سوچ کر دیکھو کہ کیا تم نے بھی اسی قسم کی حرکت کسی معصوم و مظلوم کے ساتھ نہیں کی تھی، جس نے تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی؟ ممکن ہے کہ فوراً یاد نہ آئے، لیکن تحت الشعور نفس کی گہرائیوں میں یہ واقعہ ضرور مندرج ہے، وہ ایک روز تمہارے غور و فکر کرنے پر ظاہر و باہر ہو جائے گا، ہر حادثہ اور مصیبت کے وقت اسی قسم کی سوچ بچار سے کام لیا جائے اور دیانتِ فکری کو ہاتھ سے نہ دیا جائے تو آدمی بالآخر اس امر کا قائل ہو جاتا ہے کہ اللوم علی لا علیھم ملامت مجھ پر ہے، میرے دشمنوں پر نہیں، کیوں کہ حقیقی معنی میں میرا دشمن کوئی نہیں، میں ہی اپنی ذات کا بڑا دشمن ہوں، دوسرے دشمن میری ہی طبیعت کے پیدا کردہ ہیں۔ ع: زادۂ طبع من اند آنانکہ خصمانِ من اند (خاقانی)

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی جان و دل سے تصدیق کرنے لگے گا کہ ” اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك “ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں میں ہے! درد الم تیرے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ یداك کسبتا وفوك نفخ۔ جو مصیبت و آفت، درد و غم، گناہوں کی عقوبت کے طور پر وارد ہوتے ہیں، ان کی پہچان بس یہی ہے کہ انسان نزولِ بلا پر صبر نہیں کرتا، اپنی جیسی بے بس و بے کس ہستیوں کی طرف اپیل کرتا ہے، جزع و فزع کرتا ہے، شکایتوں کا دفتر کھول دیتا ہے، مقامِ شکوی میں داخل ہو جاتا ہے اور مقامِ صبر سے خارج ہو جاتا ہے، مصیبت کے دفع کرنے کا واحد علاج یہی ہے کہ اپنے اعمال کی اصلاح کی جانب توجہ کرے، اپنے نفس کا تزکیہ کرے، قلب کا تصفیہ کرے، اپنے سر کا اوہامِ باطلہ سے تخلیہ کر کے، خیر کی جانب لوٹے، نور کی طرف پلٹے ظلمتوں سے نکل جائے، غم والم کی تاریکیاں خود بخود دور ہو جائیں گی اور راحت و مسرت کا نور اس کی رگ و پے میں سرایت کرنے لگے گا۔

درد و غم وہ اشارات ہیں جو انسان کو اس کے اعمال کی جانب متوجہ کرتے ہیں، یہ خیر کی طرف ہدایت کرتے ہیں، ان کا وجود اس پر اسرار کائنات میں بے معنی نہیں، شرِ محض نہیں، یہ خیر کے تحقق کا زبردست آلہ ہیں، خیر کی منزل تک لے جانے کا نہایت قوی ذریعہ ہیں، یہ جرائم و معاصی کی ظلمتوں کو رفع کرنے میں نور کا کام دیتے ہیں، ایک لفظ میں یوں کہو کہ یہ خام کو پختہ بنانے کے لیے ضروری ہیں، اقبال نے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے:

جہانِ ما کہ جز انگارۂ نیست — اسیرِ انقلابِ صبح و شام است
ز سوہانِ قضا ہموار گردد — ہنوز ایں پیکرِ گل ناتمام است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ہمارا جہاں جو صرف انگارے پر مشتمل ہے صبح وشام کے انقلابات کا قیدی ہے۔ قضاء کی سوہان (ریتی) سے ٹھیک ہوجاتا ہے اب تک مٹی کا یہ گارہ نامکمل ہے۔)

سوہانِ قضا پیکرِ خاکی کے نقص وتحدید کو، کجی وخامی کو غم والم کے انگارہ سے دور کرتا جاتا ہے اور اس کو کمال کی طرف کھینچ لاتا ہے!

❷ بعض دفعہ درد والم، سوز وغم، معاصی وجرائم کی عقوبت کے طور پر نہیں عائد کیے جائے مقصود محض سزا دینا نہیں ہوتا بلکہ تطہیر ہوتی ہے، تکفیر وتمحیص ہوتی ہے، شہوتوں اور لذتوں کے اتباع سے نفس میں تاریکی پیدا ہوتی ہے، اوامر الٰہی کی مخالفتوں سے قلب مردہ ہوجاتا ہے، درد وغم، سوز والم نفس سے ظلمتوں کو رفع کرتے ہیں، وہ ان کی طرف رُخ کر کے نورانی ہوجاتا ہے اور گناہوں کی ساری تاریکیاں دور ہوجاتی ہیں، بلاؤں اور مصیبتوں سے نفس دب جاتا ہے۔ ذلیل وخوار ہوجاتا ہے، حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، شہوتوں اور لذتوں سے ٹوٹ کر ان سے جڑ جاتا ہے، ربط قائم کر لیتا ہے، غم سے زیادہ موثر تطہیر کے لیے کوئی اور شے نہیں اور بلا آتی ہے اسی تطہیر کی خاطر۔ ع: ایں بلائے دوست تطہیرِ شما است۔ (دوست کی یہ مصیبت آپ کی پاکیزگی کے لیے ہے۔) (رومی)۔

اسی مقصود کو پیشِ نظر رکھ کر عارفِ روم درد وغم (قبض) سے رنجیدہ نہ ہونے کی تاکید فرماتے ہیں اور اس کو سالک کے لیے مفید قرار دیتے ہیں:

چونکہ قبض آمد تو دردے بسط بین — تازہ باش و چیں میفکن برجبیں
چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو — آن صلاحِ تست آیس دل مشو

(کبھی جب غم تجھے لاحق ہوجائے تو کسی بڑے درد کو یاد رکھ۔ اپنی تازگی برقرار رکھ اور تیوری مت چڑھا، جب تجھے غم آلے اے سالک! وہ تو تیری اصلاح کے لیے ہے اس لیے تو ناامید نہ ہو۔)

اس خیال سے صوفیائے کرام نے بلا ومصیبت کو حق کے انعامات سے زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔ آلامِ محبوب بہ از انعام محبوب، بلا ہی عطا ہے اور عطا پر غم کیسے، بلا از دوست عطا است واز عطا مالیدن خطا است۔

زخم چوں از تو رسد باہمہ آزار خوشیم — کے ز آزار تو بیزار شود جان حسین

(آپ کے ستانے سے میری روح کہاں بے زاری کا اظہار کرتی ہے۔ آپ سے جو زخم لگے گا اس کی تکلیف کے ساتھ خوش ہیں۔)

بلا وغم جب تکفیر وتمحیص کے لیے آتے ہیں تو اس کی صاف علامت یہی ہے کہ مبتلی، جزع وفزع نہیں کرتا، صبر جمیل سے کام لیتا ہے، دوستوں اور ہمسایوں کے سامنے اپنی مصیبت پیش کر کے شکویٰ وشکایت نہیں کرتا۔ صبر کر کے بے حساب اجر کا اُمیدوار رہتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

❸ اور بعض دفعہ بلاو مصیبت محض تطہیر و تکفیر کے لیے بھی نہیں آتی بلکہ ارتفاعِ درجات اور بلوغِ منازل عالیات اس کا مقصد ہوتا ہے، یہ قانون اہل اللہ کے متعلق ہے جنھوں نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا ہے، جن کے قلوب پاک و مصفیٰ ہیں، جن میں ربط بحق قائم ہے، دیکھا جاتا ہے کہ کثرت سے بلائیں ان ہی پر نازل ہوتی ہیں، چنانچہ البلاء للولا آزمائش دوستوں کے لیے ہوتی ہے، مشہور خاص و عام بھی ہے، اس قانون کو رازدانِ حقیقت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے: اذا احب اللّٰہ عبدا ابتلاہ فان صبرا جتباہ وان رضی اصطفاہ یعنی جب حق تعالیٰ بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں، اگر وہ صبر کرے تو اپنا پسندیدہ بنالیتے ہیں اور اگر راضی رہے تو برگزیدہ قرار دے لیتے ہیں، اسی لیے حضرت معروف فرمایا کرتے تھے: ”لیس بصادق فی دعواہ من لم یتلذذ بضرب مولاہ“۔ جو اپنے مولا کی مار سے لذت نہیں لیتا، وہ سچا غلام ہی نہیں!

اس مفہوم کو کسی عاشق نے ان سریلے نغموں میں ادا کیا ہے:

جاں بلب آمدہ ز درد کردم از و دوا طلب ... گفت اگر تو عاشقی صبر کن و رضا طلب
یار دمے کہ برسرت تیغ زند تو دم مزن ... سر بفدائے یار کن ہیچ نہ خوں بہا طلب
محوے مرا دِیار شوتا شود او بہ کامِ تو! ... قابلِ التفات نیست عاشقِ مدعا طلب

(تکلیف کی وجہ سے روح نکل کر ہونٹوں پر آ گئی تو میں نے دوا طلب کی تو اس نے کہا اگر تو عاشق ہے صبر سے کام لے اور اس کی خوشنودی طلب کر۔ دوست ایک لمحہ کے لیے تیرے سر پر خنجر مارتا ہے تو مت چیخ، اپنا سر دوست کے لیے قربان کردے اور خون بہا طلب مت کر، اپنے یار کے مقاصد میں کھوجا تاکہ وہ بھی تیرا ہوجائے۔ مقصد طلب عاشق توجہ کے قابل نہیں ہے۔)

انسان کی فطرت کے اقتضاءات و قابلیات کا جن کو حکیمانہ علم حاصل ہے، وہ اس راز کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ منازلِ عالیہ تک رسائی کے لیے درد و غم لابدی و لازمی ہے تقید جو انسان کی فطرت ہے، اطلاق کے کسی درجہ کی متحمل نہیں ہوسکتی، درد و الم ہی سے رفتہ رفتہ اضافی اطلاقیت پیدا ہوتی جاتی ہے، یہ اطلاقیت کیا ہے، نفس کی تحدیدات سے رہائی ہے، ذمائم اخلاقیہ تحدید ہی کا نتیجہ ہیں، صفاتِ حسنہ کا پیدا کرنا مشقوں کا برداشت کرنا ہے، تحمل مشاق موجب الم ہوتا ہے، لیکن ایک دفعہ جب صفاتِ حسنہ پیدا ہوجاتے ہیں تو انسان ترفع محسوس کرنے لگتا اور ہزاروں غموں سے نجات پاتا ہے، گو درد و غم کو وہ فطرتاً مکروہ سمجھتا ہے لیکن نتائج سے واقف ہونے کے بعد وہ حق تعالیٰ کے اس قول کی تصدیق کرنے لگتا ہے کہ:

﴿عسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللّٰہ فیہ خیراً کثیرا﴾ ترجمہ: یعنی شاید تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر کثیر رکھی ہو۔

اولیاء پر جو بلائیں نازل ہوتی ہیں، وہ ان کے درجات کے ارتفاع کے لیے ہوتی ہیں، حق تعالیٰ انہیں اپنا قرب عطا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں، فقیر و نیستی میں انہیں مبتلا کرتے ہیں، درد و حزن ان پر طاری کرتے ہیں،، ن سے ارشاد ہوتا ہے کہ ”البلاء کنز من کنوز الجنة لا یعطی الا باولیائه“ ۔عشاق بلا کی اہمیت و قیمت سے واقف ہوتے ہیں، مستانہ وار وہ اس کے طالب ہوتے ہیں کہ:

دردہ قدح درد کہ آں می باید — درد یکہ زتست بیشتر می باید
تلخ ست عجب لیک بسے خوشگوار است — ہرچند ہمی خورم دگر می باید
بفقر و نیستی یک دو روزہ خوش می باش — کہ یار خود ز کرم عذر خواہِ مامیگردد

(درد و زخم تو چاہیے لیکن وہ درد جو آپ کی جانب سے ہے زیادہ درکار ہے۔ وہ کڑوا ہونے کے باوجود بہت خوشگوار ہے۔ بار بار پینے کے باوجود پھر طلب رہتی ہے۔ تنگ دستی اور فقر و فاقہ کے ساتھ دو دن خوش رہو کہ دوست خود ہی اپنی کرم نوازی سے معذرت چاہے گا۔)

ان کے نزدیک جان کے مقابلہ میں تن کی زیادہ قدر نہیں اور جان کی قدر ”پر تو رے جاناں“ کی وجہ سے ہے، تن اگر تکلیف میں ہو، لیکن جان جاناں کے مراد کے مطابق ہو اور اس کے جمال سے کیف اندوز، تو پھر تن کی تکلیف کی کیا شکایت، اسی لیے بلا میں یہ عوام کالانعام کے خلاف۔ا۔ کسی غیر کے آگے شاکی نہیں ہوتے اور اپنی تنگ دلی کا کسی کے سامنے اظہار نہیں کرتے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ: انهم لن یغنوا عنك من الله شیئا۔

ستم کشانِ محبت دم از فغاں بستند — گرہ زجبہ کشادند و برزباں بستند

(محبت کے ستم خوردوں نے آہ و فغاں بند کر دیا ہے پیشانی کی گرہ زبان پر باندھی ہے۔)

۲۔ اپنے باطن میں اتہام اپنے رب پر نہیں رکھتے، اس کی حکمتِ بالغہ میں انہیں کوئی شک نہیں ہوتا، وہ حق تعالیٰ سے یہ خطاب سنتے ہیں:

با درد بساز چوں دوائے تو منم — در کس منگر کہ آشنائے تو منم
گر برسر کوئے عشقِ ما کشتہ شوی — شکرانہ بدہ کہ خوں بہائے تو منم

(تکلیف کا ساتھ دو کہ تیری دوا میں ہوں۔ کسی کی جانب نہ دیکھ کہ تیرا دوست میں ہوں۔ اگر ہمارے عشق کی گلی میں مارا جائے تو شکریہ ادا کرو کہ تیرا خون بہا میں ہوں۔)

۳۔ انہیں یقین کامل ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو بات ان کے لیے اختیار کی وہی ان کے لیے دین و دنیا میں اچھی ہے۔ ع: صلاحِ ما ہمہ آنست کاں تراست صلاح

”حدیث الولی“ میں اس آخری نکتہ کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندوں میں کوئی ایسا بھی ہے کہ تونگری یا غنا کے سوا کوئی چیز اس کو صالح نہیں کر سکتی، اگر میں اس کو فقیر کردوں تو یہ فقر اس کے ایمان کو بگاڑ دے اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کو فقر و درویشی کے سوا کوئی چیز نیک نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنا سکتی، اگر میں اس کو غنی کردوں تو غنا اس کے ایمان کو فاسد کردے اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کو صحت وتندرستی کے سوا کوئی چیز درست نہیں رکھ سکتی اگر میں اس کو بیمار کردوں تو وہ بیماری اس کے ایمان کو بگاڑ دے اور کوئی ایسا بھی ہے کہ بیماری کے سوا کوئی چیز اس کے ایمان کو درست نہیں رکھ سکتی، اگر میں اس کو تندرست رکھوں تو یہ تندرستی اس کے ایمان کو فاسد کردے، مجھے اپنے بندوں کے احوال سے پوری آگاہی ہے اور میں ان کے مطابق اپنا کام کرتا ہوں۔

حق تعالیٰ کی ان ہی حکمتوں سے واقف ہوکر عشاق ان کی حسنِ تدبیر، قضا واختیار سے راضی اور مطمئن رہتے ہیں اور ہر حال میں رضا بالعطا اور ''حفظِ حال'' ضروری سمجھتے ہیں اور قلب کی گہرائیوں سے۔ ع: ہر چہ از دوست میرسد نیکوست۔ کے قائل ہوتے ہیں، اسی لیے گو وہ ''طبعی'' غم واندوہ میں مبتلا ہوتے ہیں، لیکن ''عقلی سرور'' سے ان کے قلب خالی نہیں ہوتے، یہ ہے ''جمع بین الاضداد'' اور ''ضدوں کی جمع کا یہ ہنر'' ان ہی کو آتا ہے! رضی اﷲ عنہم ورضوانہ۔

غرض طبعی حزن وغم کے لحاظ سے کلیہ یہ ہے کہ۔ ع: عالم ہمہ درد است و دوامی خواہد۔ یہ درد یا تو گناہوں او بدکرداریوں کا نتیجہ ہے، یا تطہیر وتکفیر کے لیے وارد ہوتا ہے، یا رفع درجات کے واسطے عائد کیا جاتا ہے، بہرحال: ﴿لقد خلقنا الانسان فی کبدٍ﴾ ''ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا''...... کے کلی قانون کا کوئی استثناء نہیں دکھائی دیتا، انسان کی ساری عمر محنت اور دکھ، غم واندوہ میں گزرتی ہے، سوز والم میں بسر ہوتی ہے، وہ ایک موجِ بے قرار کے مانند ہے، جس کی ماسیت ہی میں پیچ وتاب ہے۔ چنانچہ اقبال نے اس حقیقت کو خوب بیان کیا ہے:

چہ پرسی از کجایم چیستم من؟ بخود پیچیدہ ام تا زیستم من
دریں دریا چو موجِ بیقرارم اگر برخود نہ پیچم نیستم من

''(کیا پوچھتے ہو، کہاں سے ہوں اور کہاں جیا ہوں؟ اپنے میں الجھ گیا ہوں یہاں تک کہ زندہ رہا ہوں۔ اس سمندر میں موج بے قرار ہوں اگر اپنے ساتھ الجھ کر نہ رہوں تو پھر میرا وجود نہ رہے گا۔)

لیکن جیسا کہ اوپر واضح ہوا ہے وہ درد وغم، سوز والم بے معنی نہیں، بغیر مقصد وغایت کے نہیں، اس کا مقصد خودی کی تعمیر ہے، قوتِ حیات کی توفیر ہے، اسی مقصود کو پیشِ نظر رکھنے سے انسان کو طبعی درد کی حالت میں بھی عقلی سرور حاصل ہوسکتا ہے، یعنی اس کو اپنی جہت سے غم ہی غم ہے لیکن حق تعالیٰ کی جہت سے سرور ہی سرور، اسی نکتہ کو سمجھ کر عارف رومی نے فرمایا تھا:

چوں بدانستی کہ ظلِ کیستی فارغی گر مردی و گر زیستی
قطرۂ نوری سراپا نور باش بگذر از غم انما مسرور باش

(جب جان لوگے کہ تو کس کا سایہ ہے تو پھر (غموں سے) فارغ ہے کہ جیے یا مرے۔ تو نور کا ایک قطرہ ہے سراپا نور رہو۔ غموں کو چھوڑ کر ہمیشہ خوش رہو۔) فافہم وتدبر!

☆☆☆

© rasailojaraid.com